وحدت الوجود اور وحدت الشہود

ظہور اسلام سے پہلے بھی توحید کا تصور کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا۔ علماء اور فلاسفہ کا خیال ہے کہ انسان ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے تکثیر یعنی کثرت پرستی سے تثلیث تک پہنچا اور پھر تثلیث سے ثنویت تک اور آخر میں ثنویت سے توحید تک اسکی رسائی ہوئی۔ اسکے برعکس ادیان عالم کا دعویٰ ہے کہ انسان نے ابتدا ہی سے ایک خدا کو پکارا اور وقتاً فوقتاً خدا کے پیغمبروں نے اس عقیدہ کی تعلیم و تجدید کیلئے اسکو ابھارا ، لیکن مرور ایام کے ساتھ انسان کی نفس پرستی ، غفلت شعاری اور انقلاب زمانہ سے یہ عقیدہ کمزور پڑ گیا ، یہاں تک کہ خلق خدا اوہام پرستی ، اصنام پرستی ، اجرام پرستی ، مظاہر پرستی —— غرض جملہ ماسوی اللہ میں مبتلا ہوگئی۔ عرب کے کفار و مشرکین اگرچہ اللہ ہی کو خالق ارض و سما سمجھتے تھے ، لیکن ظاہراً مختلف معبودوں کی پرستش میں گرفتار تھے۔ توحید کا تصور اگر کہیں کہیں موجود بھی تھا ناقص و نامکمل صورت میں تھا۔ خواص اسکی حقیقت سے کسی قدر واقف تو تھے مگر دنیا

کے بے شمار عوام توحید کے تجسیمی تصوّر یعنی خدا کے وجود جسمی کے قائل تھے ۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو خالص توحید کا پیغام سنایا اور اللہ تعالیٰ کے تنزیہی وجود پر زور دیا ۔ چنانچہ اپنی دعوت کا آغاز آپ نے اس جملے سے کیا یا ایہا الناس قولوا لا الٰہ الا اللہ ، تفلحو (اے لوگو ! کہو کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ، کامیاب ہوجاؤ گے) اس کو توحید مطلق کہتے ہیں ۔ افہام و تفہیم کے لئے اسے توحید مطلق کہتے ہیں ۔ افہام و تفہیم کے لئے اسے توحید الوہیت اور توحید تنزیہی بھی کہا جاسکتا ہے ، یعنی خدا ہی (جو ذات واحد ہے) معبود ، حاجت روا اور مشکل کشا ہے ۔ وہی سب کا رب ہے اور تمام عیوب و نقائص سے منزہ اور پاک ہے ۔ اسکی بے شمار صفات اسکے اسمائے حسنٰی سے ظاہر ہیں ۔ وہ حی القیوم ہے ، رحمان و رحیم ہے ، ذوالجلال والاکرام ہے ، واحد القہار ہے ، علیم و خبیر ہے ، سمیع و بصیر ہے ، کہاں تک کوئی اسکی صفات گن سکے ۔ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار ۔ (نگاہیں اسکا احاطہ نہیں کرسکتیں وہ نگاہوں پر محیط ہے) توحید کا یہ قرآنی تصور نہایت جاندار ، خالص اور مکمل ہے ، جسکا اعتراف غیر مسلموں نے بھی کیا ہے ۔ اسلام کے اس بنیادی عقیدہ ، "توحید مطلق" نے تمام عالم میں ایک انقلاب برپا کردیا ۔ اسکے دور رس نتائج مرتب ہوئے اور موجودہ عہد میں بھی مرتب ہوتے دکھائی دے رہے ہیں ۔ یہ عقیدہ کمزور ہو تو بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۔ مسلمانوں کی موجودہ موت و حیات کی کشمکش سے ظاہر ہے کہ توحید کے ارتقائی تصور یہ کے مقابلے میں جسکا ذکر شروع میں کیا گیا ہے ، مذہب کا تصور یہ توحید ہی صحیح ہے ، پھر یہ رو بہ تنزل کیونکر ہوا اگلے صفحات میں اس نکتے سے بھی بحث کی جائے گی ۔

اسلام کے صدر اوّل میں مسلمان توحید خالص پر کاربند تھے اور اس کے نتیجے میں غیر اللہ کی غلامی سے آزاد تھے ۔ ہر عمل اور عبادات کا مقصود رضائے الٰہی تھا اور رسول اللہ صلعم کا اسوۂ حسنہ ہمیشہ پیش نظر رہتا تھا ۔ صحابہؓ ، تابعین اور تبع تابعین اخلاص و ایثار کے پیکر تھے ، حق و صداقت ان کا شعار تھا ۔ تہذیب و معاشرت میں پاکیزگی اور سادگی تھی لیکن تزکیۂ نفس ، علم و حکمت اور جذبۂ خدمت کے اوصاف کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا تھا ۔ اپنی ایمانی قوت سے میدان جہاد بھی داد شجاعت دیتے تھے ۔ اللہ تعالٰی نے انکو دین و دنیا کی کامیابی سے نوازا ، کیونکہ انکی دینی اور دنیوی زندگی میں دوئی نہ تھی ۔ انکی پرائیویٹ اور پبلک زندگی میں کوئی تضاد نہ تھا ۔ ان کے آگے حق کے مقابلے میں کفر ، شرک اور نفاق کی باطل قوتیں کہاں ٹھہر سکتی تھیں ۔ قرآن میں ان کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے :

محمد رسول اللہ ، والذین معہ اشدّاء علی الکفار رحماء بینہم تراہم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ و رضواناً سیماہم فی وجوہہم من اثر السجود ، ذالک مثلہم فی التوراۃ و مثلہم فی الانجیل ۔[1]

محمد اللہ کے رسول ہیں ۔ اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں ، وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں ۔ (اے مخاطب) تو انکو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں ، کبھی سجدہ کر رہے ہیں ۔ اللہ تعالٰی کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں ۔ یہ ان کے اوصاف توراۃ میں ہیں اور انجیل میں ۔[2]

---

1 سورۂ فتح

2 ترجمہ از مولانا اشرف علی تھانوی

انکی عبادت و عبدیت کا کمال یہ تھا کہ اسکو درجۂ احسان تک پہنچا دیا ، اور خود محسنین کہلائے ۔ حدیث میں احسان کی تعریف ان الفاظ میں ملتی ہیں :

الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ ، فان لم تکن تراہ

فانہ یراک ۔ (حدیث جبرئیل بروایت حضرت عمر فاروق رض)

یعنی اللہ کی عبادت اسطرح کی جائے ، جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے ، پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا ہے ، وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے ۔

یہی خالص اسلامی تصوف ہے ، جسکی بنیاد توحید کے قرآنی تصور پر رکھی گئی ہے ۔ لیکن خلافت کے ملوکیت میں تبدیل ہونے ، سلطنت کے پھیلاؤ اور دوسری اقوام سے سابقہ پیش آنے کے بعد مسلمانوں کے افکار و خیالات میں رفتہ رفتہ انقلاب آگیا ۔ یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری میں " تصوف " نمودار ہوا ، اگرچہ تصوف اور صوفی کے الفاظ قرآن و حدیث میں نہیں ملتے تھے لیکن ان الفاظ کے روحانی اور اخلاقی مفاہیم کو قرآن و سنت سے ہی اخذ کیا گیا ۔ اسکے لئے رسول اللہ ص کا اسوۂ حسنہ اور صحابہ رض کا طریقہ بھی خاص طور پر موید تھا ۔ گویا تصوف کی تحریک " احسان " ہی کی ایک عملی و علمی توسیع تھی ۔ شروع شروع میں فقر و رضا اور صبر و توکل کی طرف زیادہ توجہ رہتی تھی ۔ خشیت الٰہی اور خوف آخرت دلوں میں جاگزین تھا ۔ عبادات و معاملات میں بیم و رجا کی کیفیت تھی لیکن حد سے زیادہ عزلت نشینی ، رہبانیت کے مشابہ ہونے لگی ، اور محبت الٰہی کے نشے میں آزاد روی اور جوش و سرمستی کا اظہار ہونے لگا ۔ اس امر میں حضرت رابعہ بصری (وفات ۱۶۱ھ) پیش پیش تھیں ۔ " تصوف میں اس قسم کی آزادی گفتار غلبہ جوش و مستی محویت و استغراق کے راہ پا جانے سے کئی اہم نتائج برآمد ہوئے ۔

ابھی تک تو ایمان ، خوف و رجا کے درمیان ایک نقطۂ اعتدال کی صورت رکھتا تھا لیکن اب غلبۂ محبت کے اظہار میں رجائیت زور پکڑنے لگی ۔ اور سیلاب محبت کے بہاؤ میں مستند اسلامی اعتقادات کے خلاف لب کشائی کر جانا اور نشۂ وصل خدا میں پیغمبر خدا سے اظہار بے نیازی کر دینا بھی آسان ہوگیا ۔ یہی وہ جذبۂ آزادی تھا جس نے آگے چل کر تصوف کا دروازہ بیرونی عقائد و خیالات کی درآمد کےلئے وا کردیا ۔ اور اتباع کتاب و سنت میں نمایاں کمی ہوتی چلی گئی ۔"[1]

یونانی فلسفہ سے تو مسلمان دوسری صدی ہجری کے شروع میں روشناس ہوگئے تھے ۔ اس صدی کے آخر تک تصوف اور اسکی امتیازی خصوصیات کی خوب اشاعت ہوئی ۔ معتزلہ کو عروج حاصل ہوا اور مسئلہ " خلق قرآن " بھی پیدا ہوا جس کی طرف مامون الرشید نے اپنی پوری توجہ مرکوز کردی اور حضرت امام احمد حنبل رحہ نے اس فتنہ کے خلاف کامیاب جہاد کیا ۔ ان کے ہم عصر اور ہم استاد مشہور محدث علی بن المدینی کا ارشاد ہے :

> "اللہ تعالیٰ نے اسکے غلبہ و حفاظت کا کام دو شخصوں سے لیا ہے ،
> جن کا کوئی تیسرا ہمسر نظر نہیں آتا ۔ ارتداد کے موقع پر ابوبکر
> صدیق رض اور فتنہ خلق قرآن کے سلسلے میں احمد بن حنبل ۔"[2]

تیسری صدی ہجری میں بحیثیت علم و فن کے تصوف کی باقاعدہ تدوین ہوئی ۔ اسی دور میں صوفیانہ تصانیف کا آغاز ہوا ۔ اور تصوف کے سلسلے قائم ہوئے ۔ اتنا ہی نہیں بلکہ صوفیانہ اصطلاحات بھی وضع کی گئیں اور ذکر و اشغال کے نئے اصول

---

1 تصوف اور اردو شاعری ـــ پروفیسر سید صفی حیدر دانش ـــ بریلی کالج (مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور)

2 تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول ـــ ص 101 ـ مولانا ابوالحسن علی ندوی

مقرر کئے گئے۔ ذوالنون مصری نے وجد و معرفت کے نظریوں سے روشناس کیا ، نوافلاطونیت کے تخیلات بھی ، جیسا کہ ڈاکٹر نکلسن کا خیال ہے ، انہی نے پھیلا دئیے۔ بایزید بسطامی نے خود فراموشی اور فنا کے مسائل کی تعلیم دی۔ نظریہ وحدت الوجود کو پروان چڑھانے میں ان کا بھی نام لیا جاتا ہے انکے اقوال میں ایک خاص کیف و مستی اور شاعرانہ انداز کی خیال آرائی ہوتی تھی۔ یہ وہ خصوصیت ہے جسے بعد میں صوفی بزرگ اور شاعر ابو سعید بن ابی الخیر نے بہت ترقی دی۔[1] جنید بغدادی رح نے بھی مسائل تصوف کو مرتب و منضبط کیا اور "تصوف و فقہ میں جو آویزش چلی آرہی تھی اسکو یہ کہکر دور کیا کہ شریعت و طریقت دو علاحدہ راہیں نہیں بلکہ ایک ہی تعلیم کے دو رخ ہیں۔"[2]

چوتھی صدی ہجری میں حسین بن منصور نے بڑے ذوق و شوق اور شدّ و مد کے ساتھ وحدت الوجود کا نغمہ چھیڑا ، یہاں تک کہ "اناالحق" کہا۔ ان کو اپنے عقائد کی پاداش میں پہلے دردناک اذیتیں اٹھانا پڑیں ، اور بالآخر 309ھ میں انہیں سولی پر چڑھایا گیا۔ علماء کو ان کے متعلق اسی طرح اختلاف ہے جس طرح شیخ سرمد کے بارے میں۔ فارسی میں صوفیانہ شاعری کا آغاز ابوسعید بن ابی الخیر کی رباعیات سے ہوا اور آگے چل کر "وحدت الوجود" صوفیانہ شاعری کا خاص موضوع بن گیا۔ اس طرح اس مسئلہ کی گھر گھر تبلیغ ہوئی اور تقریباً سارا عالم اسلام اسی رنگ میں رنگ گیا۔

دوسری طرف معتزلہ اور قرامطہ کے افکار و خیالات اور بدعات کا بڑا زور تھا۔ اسلام کے منافی انکی تحریکوں سے عقائد میں انقلاب آگیا ، چنانچہ ان سب کی تردید میں امام ابو منصور جو حنفی المسلک تھے ، نے کئی کتابیں لکھیں ، جن میں "تاویلات القرآن" اپنے موضوع پر ایک جلیل القدر کتاب ہے۔ علم کلام جو اسلام کا دفاع کررہا تھا ،

---

1 A Literary History of the Arabs __ Prof. Nicholson __ Page 391

2 بحوالہ تصوف اور اردو شاعری ـــ سید صفی حیدر دانش

ابھرو۔ انحطاط تھا۔ اس کے برعکس فلسفۂ یونان اور باطنیت کو بڑا عروج و فروغ حاصل ہوا۔ یونان کے فلسفۂ الٰہیات اور مابعد الطبیعات کی مباحث سے مسلمان بہت مرعوب و متاثر ہوئے حالانکہ "الٰہیات کا یہ ذخیرہ دراصل یونانیوں کا علم الاصنام (دیومالا) تھا، جس کو انہوں نے بڑی چالاکی سے فلسفیانہ زبان اور علمی اصطلاحات میں منتقل کر دیا تھا۔ یہ مفروضات اور تخیلات کا ایک طلسم تھا جس کا نہ کوئی ثبوت تھا اور نہ کسی عالم میں ان کا وجود ----- مسلمانوں نے دیگر علوم کی طرح الٰہیات کے اس دفتر پارینہ کو بھی صحیفۂ آسمانی کی طرح قبول کر لیا ----- فلسفۂ یونان کو یعقوب کندی، ابو النصر فارابی اور شیخ بو علی سینا کی سے پرجوش وکیل حاصل ہوئے، کہ خود یونان میں بھی انکی نظیر ملنی مشکل ہے ----- باطنیت کا فتنہ، فلسفہ سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ انہوں نے اپنا سارا زور اس تبلیغ پر صرف کیا کہ ہر لفظ کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک حقیقی اور باطنی اسی طرح قرآن و حدیث کے کچھ ظواہر ہیں اور کچھ حقائق۔"[1] اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اندرونی اور بیرونی تخیلات و اوہام کے سیلاب میں پانی کس قدر سر سے اونچا ہو گیا تھا۔ ان حالات میں عالم اسلام کو ایک بہت بڑے مفکر و مجتہد کی ضرورت تھی۔

علامہ امام محمد غزالیؒ (450ھ تا 505ھ) نے ان سب فتنوں کے خلاف جہاد کیا۔ باطنیت کی تردید میں بہت کچھ لکھا۔ فلسفۂ یونان کا جائزہ لیکر فلسفہ ہی کے حربے سے اس پر ایسی مسلسل ضربیں لگائیں کہ آئندہ یہ ایک صدی تک جانبر نہ ہو سکا۔ انہوں نے دین کے تمام شعبوں اور جملہ اخلاق و تصوف کا عمیق مطالعہ

---

1 تاریخ دعوت و عزیمت جلد اول ـــ ص 120 ـ 131 مولانا ابو الحسن علی ندوی
ادارۂ تحقیقات و نشریات اسلام لکھنو

کر دی "احیاء العلوم" اور "کیمیائے سعادت" جیسی شاندار کتابیں لکھیں اور اسطرح ملت اسلامیہ میں نئی روح پھونکی۔ شریعت میں ظاہر و باطن کی معرکہ آرا بحث میں "انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ دین کی اصولی باتیں تو بلا شبہ ایسی ہیں کہ ان میں خفا و مجاز کی دخل اندازیاں پائی نہیں جاتیں۔ مگر ایمانیات میں فکر و اذعان کے کچھ مقامات ایسے بھی ہیں کہ جن کو واشگاف طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس دعویٰ کی تائید میں انہوں نے قرآن، حدیث اور آثار و اقوال کو حسب معمول بطور شواہد کے پیش کیا ہے"۔ [1]

"علم المکاشفہ ان کے نزدیک علم باطن سے تعبیر ہے۔ یہ ایک طرح کے اسرار پر یقین رکھتے ہیں کہ جس شخص کا اس میں حصہ نہیں، اس کے بارے میں سوء خاتمت کا اندیشہ ہے۔" [2]

امام غزالی نے عمر کے آخری دس سال شام میں گوشہ تنہائی میں گذارے۔ تلاش حق میں بڑی ریاضت و مجاہدہ سے کام لیا۔ صحت مند تصوف (خالص اسلامی تصوف) اور صوفیہ کے بارے میں جو انکشاف انہوں نے کیا، بڑا اہم ہے۔ ذاتی تجربہ کی بنا پر وہ اپنی کتاب "المنقذ من الضلال" میں لکھتے ہیں:-

"دس برس اسی حالت میں گذر گئے۔ ان تنہائیوں میں مجھے جو انکشافات ہوئے اور جو کچھ مجھے حاصل ہوا، اسکی تفصیل اور اس کا استقصاء تو ممکن نہیں، لیکن ناظرین کے نفع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیہ ہی اللہ

---

1 افکار غزالی — ص 100۔ 112 — از مولانا محمد حنیف ندوی
2 ایضاً

کی راستی کے مالک ہیں ۔ انکی سیرت بہترین سیرت ۔ ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم ۔ اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں ۔ اگر عقلا کی عقل ۔ حکماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی انکی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا چاہے ۔ تو ممکن نہیں ۔ ان کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں ۔ اور نور نبوت سے بڑھکر روئے زمین پر کوئی نور نہیں ۔ جس سے روشنی حاصل کی جائے ۔"[1]

ان [illegible] مکاشفات و مشاہدات سے ظاہر ہے کہ غزالی کا تصوّر توحید وہی تھا جو قرآن و حدیث پر مبنی ہے ۔ یعنی توحید خالص ۔ اسی پر ان کے شہرۂ آفاق معاصر ۔ جو ان سے 27 سال چھوٹے تھے ۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ نے بہت زور دیا ۔ انہوں نے درس و تدریس ۔ مواعظ حسنہ اور استقامت و تحقیق سے خواص و عوام میں مردہ دلوں کی مسیحائی کی ۔ "اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کو نئی ایمانی زندگی عطا فرمائی ۔ آپ کا وجود اسلام کے لئے ایک باد بہاری تھا ۔ جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی جان ڈال دی اور عالم اسلام میں ایمان و روحانیت کی ایک نئی لہر پیدا کر دی"[2] اسکا اعتراف شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام اور علامہ ابن تیمیہ جیسے نابغۂ روزگار علماء کو بھی ہے ۔

---

1 تاریخ دعوت و عزیمت جلد اول ــــ ص 137 ۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

2 تاریخ دعوت و عزیمت جلد اول ــــ ص 137 ۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

سفر آخرت کے موقع پر اپنے فرزند شیخ عبدالوہاب سے تاکیداً فرمایا " التوحید ، التوحید ، التوحید ۔ آخر یہ کس نوعیت کی توحید تھی ؟ وہی توحید کا قرآنی تصور کہ ذات و صفات و افعال میں کسی کو اللہ تعالی کا شریک نہ ٹھہرایا جائے ۔

غزالی اور جیلانی کے ان اصلاحی و تجدیدی کارناموں کے باوجود صوفیہ کا ایک طبقہ " وحدت الوجود " ہی پر کاربند رہا ۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی نے جنہیں شیخ اکبر بھی کہا جاتا ہے ۔ مسئلہ وحدت الوجود کو فلسفیانہ اور استدلالی رنگ میں اپنی پوری دماغی قابلیت کے ساتھ پیش کیا ۔

" ان کے بعد عبدالکریم جیلی نے تصوف میں خاص سرمایہ فکر کا اضافہ کیا ۔ انکی کتاب " انسان کامل " تصنیفات تصوف میں خاص اہمیت رکھتی ہیں ۔ " 1

" تصوف کیا ہے " اور وحدت الوجود اور وحدت الشہود " کے ان ابواب میں یہ مختصر جائزہ اس لئے ضروری تھا ، تاکہ پتہ چلایا جا سکے کہ توحید وجودی کا نظریہ کب اور کس طرح پیدا ہوا اور اس نے رفتہ رفتہ کس طور پر کس زمانے میں کیا کچھ کیا ۔ اب یہ دیکھنے کا موقع آگیا کہ وحدت الوجود ہے کیا ؟ جو فلسفہ اور تصوف دونوں کا دقیق ترین مسئلہ ہے ۔ علامہ عبدالعلی بحرالعلوم لکھنوی جو شیخ اکبر کے نظریہ وحدت الوجود کے شارح و ترجمان ہیں اپنے رسالہ وحدت الوجود " میں لکھتے ہیں ۔ (چند اقتباسات ملاحظہ ہوں)

" اللہ تعالی کے سوا جو کچھ ہے وہ عالم شیونات و تعینات ہے ۔ تمام شیونات و تعینات اسکے مظاہر ہیں اور وہ ان میں ظاہر و ساری ہے ۔ اسکی سرایت وہ نہیں جس

---

1 اردو شاعری میں تصوف ـــــ سید صفی حیدر دانش

کے حلولی قائل میں ، بلکہ یہ سریان مثل اس سریان کے ہے جو کہ گنتی کے تعداد میں ایک کی ہے ۔ گنتی کے تمام اعداد بجز اکائیوں کے اور کچھ نہیں ، عالم میں ایک ہی عین یعنی ایک ہی ذات کا ظہور ہے ، کثرت میں وہی ظاہر ہے ۔ اپنی ذات سے کثرت کا وجود نہیں ۔ اللہ کی پاک ذات کے وجود سے اس کا ظہور ہوا ہے ۔ اللہ ہی کی ذات اس کثرت میں ظاہر ہے ۔ اللہ ہی اوّل ہے ، اللہ ہی آخر ہے ، اللہ ہی ظاہر ہے ، اللہ ہی باطن ہے ۔ اللہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے ۔"

"اللہ تعالیٰ کے نام بغیر کسی مظہر کے ظاہر نہیں ہوتے ، وہ ہمارے نام چاہے تنزیہی ہوں ، چاہے تشبیہی ، اب جبکہ اسماء مظاہر پر موقوف ہوئے اور بغیر مظاہر کے انکا کمال متصور ہی نہیں ہوسکتا ، اللہ تعالیٰ نے اعیان عالم کو موجود کیا ، تاکہ وہ اعیان اسکے مظاہر ہوں اور اسکے اسماء کا کمال پوری طرح ظاہر ہو ۔

اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی کمال میں قطعاً غنی ہے ، لیکن اسمائی کمال کے مرتبہ میں عالم کے وجود خارجی سے غنی نہیں ہے ۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں :

پرتو معشوق گر افتاد بر عاشق چه شد

عابد و محتاج بودیم او به ما مشتاق بود

یعنی اگر معشوق کا سایہ اور پرتو عاشق پر پڑ گیا ، تو کیا بات ہوئی ہم اس کے محتاج تھے اور وہ ہمارا مشتاق تھا ، یہ بیان اس حدیث قدسی سے ثابت ہے ، " کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق ۔ میں ایک مخفی خزانہ تھا ، میں نے چاہا کہ میں پہچان لیا جاؤں ، لہٰذا خلق کو میں نے پیدا کیا ، تاکہ میرا ظہور ہو اور مخلوقات مظہر ہو میرا اور میرے اسماء کا "

" جو دو وجود کا قائل ہوا کہ ایک اللہ کا وجود ہے ۔ اور ایک
ممکن کا تو وہ شرک کر رہا ہے ۔ اور اس کا یہ شرک ، شرک حقیقی
ہے ۔ اور جو شخص صرف ایک وجود کا قائل ہوا اور اس نے کہا
کہ وجود صرف اللہ ہی کا ہے ۔ اس کے سوا جو کچھ ہے ، وہ اس
کے مظاہر ہیں اور مظاہر کی کثرت اسکی وحدت کے منافی نہیں ،
تو یہ شخص موحّد ہے ۔"

" تم حق کے عین نہیں ہو ، کیونکہ حق تعالیٰ وجود مطلق ہے اور
تم مقیّد اور متعین ہو ۔ اور متعین کسی طرح بھی عین مطلق نہیں
ہو سکتا ۔ ہاں تم اپنی حقیقت سے عین حق ہو ، حق تعالیٰ تم
میں متعین ہوا ہے ۔ تم اللہ کو عین موجودات میں تعین کی قید سے
آزاد اور یقین کی قید سے مقید پا رہے ہو ، یعنی اللہ تعالیٰ کو
متعین میں ظاہر دیکھ رہے ہو " لا موجود ولا الٰہ الا اللہ " اللہ
کے سوا نہ کوئی موجود ہے اور نہ کوئی معبود ہے ۔" [1]

مندرجہ بالا الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس مسئلہ اور اس سے متعلق دیگر مسائل کو ایسی
سینکڑوں اصطلاحات کے فہم کے بغیر علمی طور پر ادراک نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لئے
افہام و تفہیم کے لئے مختلف مثالوں اور تعبیرات سے کام لیا گیا ہے

" کائنات میں کوئی شے مفرد نہیں ہے اور نہ کسی مفرد شے کا
تصور انسانی ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے ۔ اس لئے اگر ذات حق

---

1 رسالہ وحدت الوجود ۔ علامہ عبدالعلی انصاری لکھنوی مترجمہ مولانا شاہ زید ابوالحسن
فاروقی ۔ شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی ، ۔ ص ۴۷ ـ 56

تعالیٰ اشیائے کائنات کی مثل ہوتی تو اشیا کی طرح ہمارے دائرہ
تصور میں آجاتی ۔ وہ حقیقت مجردہ ہے ، اسلئے ہمارے عقل و فہم
اور قیاس و گمان سے بالا تر ہے ---------- اور سچ تو یہ ہے کہ
جب تک جزئیات کو کل میں محو نہ کیا جائے ۔ ہمیں کسی شے کا علم ہی
نہیں ہو سکتا ۔ اسلئے حکماء ہمیشہ جزئیات میں کل کی تلاش کرتے
ہیں ۔ جہاں تک محسوسات آفاقی و ذہنی کا تعلق ہے ، حکماء کی
تحقیق باطل نہیں ، لیکن اہل تصوف وہ بات کہتے ہیں ، جو
اس سے اعلیٰ و ارفع ہے ۔" 1

2 "حضرات صوفیہ کے نزدیک توحید کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے سوا
اور کوئی چیز عالم میں موجود نہیں ، یا یہ کہ جو کچھ موجود ہے
سب خدا ہی ہے ۔ اسی کو "ہمہ اوست" کہتے ہیں ۔ یہ مسئلہ
اگر چہ تصوف کا اصول موضوعہ ہے ، لیکن اسکی تعبیر اسقدر نازک ہے
کہ ذرا سا بھی انحراف ہو تو یہ مسئلہ الحاد سے مل جاتا ہے ۔
صوفیہ اور اہل ظاہر (علمائے شریعت) کا پہلا ما بہ الاختلاف یہ
ہے کہ اہل ظاہر کے نزدیک خدا سلسلہ کائنات xxx سے بالکل
الگ ایک جداگانہ ذات ہے ، صوفیہ کے نزدیک خدا سلسلہ کائنات
سے الگ نہیں ۔ اسقدر تمام صوفیہ کے نزدیک مسلّم ہے ، لیکن اسکی

---

1 علم تصوف ۔۔۔ خواجہ عبد اللہ اختر (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)

تعبیر میں اختلاف ہے ۔ ایک فرقہ کے نزدیک خدا وجود مطلق اور ہستی مطلق کا نام ہے ۔ یہ وجود جب تشخصات اور تعینات کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے ۔ تو ممکنات کے اقسام پیدا ہوتے ہیں۔ دوسرے فرقہ نے وحدت وجود کے یہ معنی قرار دئیے ہیں کہ مثلاً آدمی کا جو سایہ پڑتا ہے ۔ وہ اگرچہ بظاہر ایک جدا چیز معلوم ہوتا ہے لیکن واقع میں اسکا کوئی وجود نہیں ۔ جو کچھ ہے ۔ آدمی ہی ہے ۔ اسی طرح اصل میں ذات باری موجود ہے ۔ ممکنات جسقدر موجود ہیں ۔ سب اسی کے اظلال اور پرتو ہیں ۔ اسکو توحید شہودی کہتے ہیں " [1]

3 " خدا وجود مطلق ہے ۔ یہی وجود مقید ہو جاتا ہے یعنی مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے اور مختلف نام سے پکارا جاتا ہے ۔ تمام عالم اور موجودات عالم اسی وجود مطلق کے تشخصات ہیں ۔ اسی بنا پر فریدالدین عطار فرماتے ہیں

" التوحید اسقاط الاضافات "

آب در بحر بیکراں آب است　　　ورنی در سبو ہماں آب است

ہست توحید مردم بے داد　　　حصر نوع وجود در یک فرد [2]

1　سوانح مولانا روم ــــ ص 155 ـ 161 علامہ شبلی نعمانی

2　شعر العجم (جلد پنجم) ص 147 ـ 156 علامہ شبلی نعمانی

69

4 "بالفاظ دیگر "کائنات کا وجود وہمی ہے یا اعتباری حقیقی وجود
صرف حق تعالٰی کا ہے ------ ---
ا) ایک عامی (جو نہ فلسفی ہو نہ سائنسدان) سے دریافت
کیا جائے کہ پانی کا وجود کیسا ہے ؟ حقیقی یا اعتباری ؟ تو وہ
یہی کہے گا کہ پانی کا وجود حقیقی ہے - یعنی پانی درحقیقت موجود
ہے ، یا پانی مستقل بالذات شے ہے وغیرہ ، مطلب یہ نکلا کہ اسے
اس بات کا بالکل یقین ہے کہ پانی "حقیقی شے" ہے -
ب) لیکن کیا اس سائنسدان کی نظر میں بھی پانی حقیقی ہے ؟ ہرگز
نہیں ، وہ کہتا ہے کہ پانی کی حقیقت دو گیسیں ہیں جنکو آکسیجن
اور ہائیڈروجن کہتے ہیں ، یعنی جب انسان کے علم میں اضافہ ہوا
تو پانی کی حقیقت پانی نہیں رہی ، بلکہ کچھ اور نکل آئی - غرض
سائنسدان کی نظر میں پانی کا وجود اعتباری ہے حقیقی وجود تو
O اور H_2 کا ہے -
ج) اب اگر ایک ماہر فن سے پوچھا جائے کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن
کا وجود حقیقی ہے ؟ وہ کہے گا نہیں — حقیقی وجود تو الیکٹران
اور پروٹان کا ہے -
د) ایک اور نظریہ یہ ہے کہ حقیقی وجود صرف توانائی (Energy)
کا ہے کیونکہ مادّہ تو خود توانائی ہی ایک کثیف شکل ہے -
ہ) خلاصہ کلام یہ کہ سائنسدان کے نزدیک درحقیقت کائنات میں
صرف توانائی موجود ہے - اشیاء کا وجود اعتباری ہے -

و) اب صوفی آتا ہے اور صوفی کہتا ہے - یہاں کیوں رک گئے ؟
آگے کیوں نہیں چلتے ؟ حقیقی شے صرف اسمائے الٰہیہ ہیں - یہ
کائنات انہیں اسماء کا "ظل" ہے -

ر) شیخ اکبر رح نے بات کو انتہا تک پہنچا دیا - انہوں نے
صاف لفظوں میں یہ کہا کہ حقیقی شے صرف "ذات حق" ہے -

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ علم و عرفان میں جسقدر ترقی ہوتی جاتی ہے - پردے ہٹتے جاتے ہیں اور نئی حقیقتیں سامنے آجاتی ہیں -

5 وحدت الوجود کی تعبیر بذریعہ الفاظ نہایت دشوار ہے - اسی لئے اصطلاحات اور استعارات کے پردوں میں صوفیہ اور عرفا نے اسکو چھپایا ، کیونکہ زرا سی بے احتیاطی سے انسان اسلام سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے قرآن نے بھی اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان نہیں کیا ، بلکہ اشارات پر اکتفا کیا - مثلاً "اللہ نور السموات والارض - اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے - یا - ہو الاول والآخر والظاہر والباطن - وہی اول ہے ، وہی آخر ہے ، وہی ظاہر ہے ، وہی باطن - یعنی اول و آخر ہونے کے علاوہ وہی ہر شے کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ، تو پھر اس کے سوا کائنات میں ہے کون ؟ یہی وحدت الوجود ہے - حق تعالیٰ کے سوا اس کائنات میں کوئی موجود نہیں ہے -

ہر شے کے دو پہلو ہو سکتے ہیں - ظاہر اور باطن - ظاہر مشہود اور باطن نا مشہود - کائنات کے بھی جو اشیاء کا مجموعہ ہے ، یہی دو پہلو ہیں - قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ

کائنات کا ظاہر بھی اللہ ہے اور اسکا باطن بھی اللہ۔ تو مطلب ہوا کہ سب اللہ ہی اللہ ہے۔ غیر اللہ کا وجود نہیں ہے۔ اللہ نور السّمٰوات والارض ، اللہ نور ہے (حقیقت ہے) آسمانوں کا اور زمین کا ۔ اسی بات کو صوفیہ یوں ادا کرتے ہیں کہ وجود مطلق یعنی حق بشکل مخلوقات حق (اپنی مخلوقات کی شکل میں) ہر لمحہ ظاہر ہو رہا ہے ۔ اسی ظہور کو کائنات کہتے ہیں ۔ یعنی کائنات حق تعالٰی کی جلوہ گری کا دوسرا نام ہے ۔ بالفاظ دگر حق تعالٰی اپنی مخلوقات کی صورت میں خود نمایاں ہو رہا ہے ۔ کلّ یوم ھو فی شانْ ، وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے ۔ مقصد ان تصریحات سے یہ ہے کہ صوفیہ قرآن سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کہتے ۔ صرف نصوص کی تشریح کر دیتے ہیں ۔ یعنی تصوف اسلامی قرآن سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے ۔ دشواریاں یہاں سے شروع ہوتی ہیں کہ عوام وحدت الوجود اور اتحاد الوجود میں فرق نہیں کرتے وحدت الوجود یہ ہے کہ کائنات کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ، یعنی یہ بذات خود موجود نہیں ہے ۔ یہ حق تعالٰی کی جلوہ گری یا اسکے ظہور کا دوسرا نام ہے ۔ اتحاد الوجود یہ ہے کہ پہلے کائنات کا وجود تسلیم کیا جائے پھر یہ کہا جائے کہ حق تعالٰی اس کائنات میں جلوہ گر ہے ۔ مثلاً کائنات ہی کی ایک شے ، کسی انسان کے متعلق کہا جائے کہ اس میں خدا جلوہ گر ہے ۔ یہ عقیدہ سراسر غیر قرآنی ہے ، کیونکہ یہ تو اتحاد ہے ، یا حلول ، یعنی یا تو خدا اس سے متحد ہو گیا یا اس میں حلول کر گیا ۔ یہ دونوں صریحاً کفر والحاد ہیں ۔

حلول و اتحاد ایں جا محال است

کہ در وحدت دوئی عین ضلال است

(شبستری)

وحدت الوجود کے عقیدہ کی رو سے دوئی عین گمراہی ہے - یعنی دوسرا کوئی موجود ہی نہیں ہے (خلاصہ وحدت الوجود از "شرح جاوید نامہ" پروفیسر یوسف سلیم چشتی) لیکن واقعہ یہ ہے جیسا کہ کئی بزرگوں نے تسلیم کیا ہے ، وحدت الوجود کی حقیقت کو محض علم و عقل کے ذریعے دریافت نہیں کیا جا سکتا ، کیونکہ یہ ایک ذوقی اور وجدانی شے ہے - حال ہے قال نہیں - علمی طور پر اسکی مختلف تعبیریں اور افہام و تفہیم کی کوششیں مختلف انداز بیان کے سوا کچھ نہیں - حقیقت کی یافت نور باطن ہی سے ہوسکتی ہے - حق کو حق ہی کے ذریعے دیکھا جاسکتا ہے - مشاہدہ کی رسائی بھی کہاں تک ہوسکے کیونکہ اسکی بھی اپنی سرحد ہے - رہا مکاشفہ ، اسمیں شیطانی اثر بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی علم شریعت کیلئے حجت یا سند نہیں ہوسکتا - لہٰذا اس راہ میں خود فریبی کا بھی خطرہ ہے - مرزا غالب نے یونہی نہیں کہا تھا -

ہے غیب غیب جسکو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

نتائج و اثرات

نظریہٗ وحدت الوجود کے نتائج و اثرات کئی لحاظ سے بڑے دور رس ثابت ہوئے چنانچہ آج بھی ان اثرات کو بعض لوگوں کی زندگی پر جن میں خواص و عوام دونوں شامل ہیں - حاوی دیکھا جا سکتا ہے - "اس مسئلہ کا اثر شیخ اکبر کے زمانہ کے بعد اتنا ہمہ گیر بلکہ عالمگیر تھا کہ کہا جا سکتا ہے کہ صوفیا ، فلاسفر اور شعراء میں نوے فیصد اس مسئلہ کے قائل یا اس سے مرعوب ہوکر اسکے ہمنوا بن گئے -" [1]

---

1 تاریخ دعوت و عزیمت و جلد چہارم ص ۲۵۶) مولانا ابوالحسن علی ندوی

شیخ کی تصانیف خصوصاً "فتوحات مکیہ" اور "فصوص الحکم" کو حرز جاں بناکر انکی بنیاد پر کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ وجود میں آیا ، بلکہ ایک مدرسۂ فکر قائم ہوگیا جو مصر و شام کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی ذہنوں پر مسلط تھا۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمان کتاب و سنت کے اصلی سرچشمے سے کسقدر دور ہوگئے ہونگے اور جہاد زندگی کا جو ولولہ ان میں تھا ، وہ کتنا سرد پڑ چکا ہوگا ۔ صوفیانہ شاعری کا بھی خاص طور یہی موضوع رہا ۔ اسمیں شک نہیں کہ اس نظریے کی آب و رنگ سے شعر و ادب کو بہت فروغ اور عروج حاصل ہوا ، لیکن اہل اسلام عموماً کاروبار زندگی کے دوسرے شعبوں سے غافل رہے ۔ زندگی بخش علوم و فنون کی طرف توجہ نہ کی اور مجاہدانہ صلاحیت رفتہ رفتہ کمزور پڑ گئی ۔

توحید وجودی کی غلط تعبیر کہ "کائنات میں جو کچھ ہے سو وہی ہے" کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض لوگ حرام چیزوں کے مرتکب ہوگئے ۔ معاشرے میں انتشار پیدا ہوگیا آوارہ قسم کی ذہنیتوں کو کھل کھیلنے کا موقعہ ہاتھ آیا ، گویا ایک طرح کی اخلاقی انارکی پھیلنے لگی ۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے جو شیخ اکبر کی وفات سے ۲۲ سال بعد پیدا ہوئے ، جب ہوش سنبھالا اور عنفوان شباب میں ہی ذہنی و علمی کمالات حاصل کئے اس صورت حال پر نظر ڈال کر وحدت وجود پر تنقید کی ۔ دید و شنید واقعات کی بنا پر انہوں نے کئی کتابوں کا انکشاف بھی کیا ۔ بلیانی اور تلمسانی جیسے شیخ کے پیرو انکے مسلک کے غالی داعیوں میں سے تھے ۔ ایک مشہور آدمی جو تلمسانی سے "فصوص الحکم" کا درس لیا کرتا تھا کتاب ختم کرکے کہا کہ اسکے مضامین قرآن شریف کے صریح خلاف ہیں۔ تلمسانی نے جواب میں کہا کہ قرآن تو سارا شرک سے بھرا ہوا ہے ، اسلئے کہ وہ

رب و عبد کے درمیان فرق کرتا ہے ۔ توحید تو ہمارے کلام میں ہے ۔ اسکا یہ بھی مقولہ ہے کہ کشف کے ذریعہ وہ ثابت ہوا ہے جو صریح عقل کے خلاف ہے ۔

امام ابن تیمیہ اپنی کتاب "الرد الاقوم علی فصوص الحکم" میں لکھتے ہیں

"بعض لوگوں سے کہا گیا کہ جب وجود ایک ہے تو بیوی کیوں حلال اور ماں حرام ہے ؟ اس محقق نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک سب ایک ہیں لیکن ان محجوبین نے (جو توحید حقیقی سے ناآشنا ہیں) کہا کہ ماں حرام ہے ۔ ہم نے بھی کہا کہ ماں تم (محجوبین) پر حرام ہے ۔" [1]

اس سے کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں نے کیا کچھ کیا ہوگا اور قرآن و حدیث کی کسقدر تاویل کی ہوگی ۔ وحدت الوجود کے اس نظریہ سے بت پرستی کا بھی جواز نکلتا ہے ۔ جزا و سزا اور جنت و جہنم کا عقیدہ بھی نہیں رہتا ۔ دنیوی زندگی کا نظام بھی درہم برہم ہوکر رہ جاتا ہے ۔ قرآن مجید کے توحید تنزیہی کے درس کے باوجود آج مسلمانوں کے عقائد مختلف ہیں ۔

"خدا کی خدائی علی حالہ قائم ہے ۔ مگر آج اس میں بہت کچھ شریک کر لیا گیا ہے ۔ الجیلی ایک شعر میں کہتا ہے :- "اگر تم کہو کہ خدا ایک ہے ، تو تم صحیح کہتے ہو ۔ اگر تم کہو کہ خدا دو ہیں ، تو تم صحیح کہتے ہو ۔ اگر تم کہو کہ خدا تین ہیں تو تم صحیح کہتے ہو ۔ گویا ایک ہی سانس میں توحید سے ثنویت اور تثلیث کی تعلیم دی گئی ہے ۔" [2]

---

1 تاریخ دعوت و عزیمت جلد چہارم صفحہ 267 ۔ 270 مولانا ابوالحسن علی ندوی

2 رسالہ "اقبال" لاہور ۔ اکتوبر 1954ء (مقالہ توحید کے ارتقائی مدارج از دین محمد شفیقی

نتیجہ کے طور پر پیر پرستی اور قبر پرستی وغیرہ بدعتیں پیدا ہوئیں ۔ ادبیات کے ذریعے عشق مجازی پر زور دیا گیا ۔ جس سے معشوق پرستی بھی عام ہوئی ۔ عیاشی اور ذہنی آوارگی کا بازار گرم رہا ۔ خدا پرستی کی جگہ اشخاص پرستی نے لے لی اور کتاب و سنت کے بجائے فلسفہ و تصوف کا زور رہا ۔ مسلمان جسقدر اپنے سرچشمہ حیات سے دور ہوتے گئے اسی قدر انکی علمی زندگی میں ضعف پیدا ہوگیا ۔ اجتماعی کردار کو گویا گھن لگ گیا ۔ لہذا ساتویں صدی ہجری میں جو عذاب تاتاری یلغار کی صورت میں آیا ۔ اسکے سامنے کہاں ٹھہر سکتے تھے ۔

ہندوستان اور "ہمہ اوست" کا عقیدہ

وحدت الوجود کا عقیدہ آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) میں جب ہندوستان آیا ۔ اسکو پنپنے اور ترقی کرنے کیلئے زرخیز زمین اور ساز گار ماحول ملا کیونکہ زمانہ قدیم سے آرین نسل کے لوگ وحدت وجود اور وحدت ادیان کے قائل رہے ہیں ۔ بعض مورخوں کا خیال ہے کہ متصوفین اسلام نے جو ایران عراق وغیرہ ملکوں میں پیدا ہوئے "ہمہ اوست" کا سبق ہندوستان ہی سے حاصل کیا تھا یہاں آکر اس فلسفہ نے مقامی مزاج سے ہم آہنگ ہوکر نیا جوش اور ایک نیا مکتب فکر پیدا کیا ۔

دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے مشایخ شاہ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۴۴ھ) سے لیکر محب اللہ الہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ) تک خصوصی طور اس مسلک کے لذت چشیدہ اور داعی تھے ۔

76

"توحید وجودی کے حامیوں اور ملفوں میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی ۔ جو خود کو شرعی قیود اور فرائض و واجبات اسلامی سے آزاد سمجھتی تھی اور یہ سمجھ کر کہ جب سب حق کی طرف سے ہے بلکہ سب حق ہے تو پھر حق و باطل کی تفریق اور کفر و ایمان کے امتیاز کا سوال کیا ؟ انہوں نے شریعت اور اسپر عمل درآمد کو عوام کے درجہ کی ایک چیز سمجھ لیا تھا ۔ ان کے نزدیک مقصود اصلی (توحید وجودی) اس کے بلند تر مقام اور اسکے آگے کی منزل تھی جو کاملین راہ اور واصلین بارگاہ کو حاصل ہوتی ہے ۔ دسویں صدی ہجری میں جو حضرت مجدّد کے ذہنی و روحانی ارتقا کا زمانہ ہے ، اس توحید وجودی کا رنگ ہندوستان پر ایسا چھا یا ہوا تھا کہ عارفانہ ذوق رکھنے والے شعرا سب اسی کے گیت گاتے تھے اور کفر و ایمان کو مساوی قرار دیتے تھے ، بلکہ بعض اوقات کفر کو ایمان پر ترجیح دینے کی سرحد میں داخل ہوجاتے تھے اس زمانہ میں ایسے بہت سے اشعار زبان زد خلائق تھے ۔

کفر و ایمان قرین یکدگرند — ہر کہ را کفر نیست ایمان نیست

عشق را با کافری خویشی بود — کافری در عین در ویشی بود

تیرھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول اردو شاعر مرزا غالب نے انہی لوگوں کی ترجمانی اپنے اس شعر میں کی ہے :

ہم موحّد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم

ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں [1]

ان حالات میں وحدت الوجود کے اسرار انتہائی نظریے جیسے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے تیرھویں صدی عیسوی میں دنیا کے سامنے پیش کیا تھا ـــــ جو بعض لوگوں کی

---

1 تاریخ دعوت و عزیمت جلد چہارم ـــــ ص 283 ـ 284 ـ مولانا ابوالحسن علی ندوی

نظر میں شنکر آچاریہ کے فلسفہ کا عربی میں چربہ ہے ، جس فلسفہ کی اسپنوزا (سترھویں صدی میں) اور ہیگل (انیسویں صدی میں) بڑے شارح گزرے ہیں ــــ کے مقابلے میں نعم البدل کی ضرورت تھی ۔ چنانچہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے اپنے روحانی تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر اسکی مخالفت و تنقید کرکے "وحدت الشہود" کی دعوت دی ، جو توحید کی اعتدالی صورت ہے ، اور شریعت کے عین مطابق ہے ۔ وحدت الشہود کیا ہے ؟ اسکی تعریف و توضیح سے پہلے مختصر طور پر تاریخی پس منظر کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے ۔

وحدت الشہود

مسئلہ وحدت الوجود کی مخالفت میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ پیش پیش تھے ، گو کہ وہ اصل میں متکلم ، محدث اور فقیہہ تھے اور علمائے ظاہر ہی میں شمار کئے جاتے تھے لیکن انکی کتاب "العبودیۃ" سے صاف ظاہر ہے کہ "وحدت الشہود کے کوچہ سے آشنا تھے بلکہ اس حقیقت سے بھی واقف تھے کہ راہ سلوک میں جو مقام پیش آتا ہے اور وہ انبیا علیہم السلام اور ان کے صحابہ کی معرفت سے فرو تر لیکن وحدت الوجود کے مقام سے بہتر و بلند تر ہے ۔"[1] علاوہ الدولہ پہلے محقق ، صوفی اور عارف ہیں ، جنہوں نے شد و مد کے ساتھ وحدت الوجود کی تنقید اور تردید کی ۔ اسکے خلاف انہوں نے مسلسل مناظرات جاری رکھے اور اپنے خطوط میں بھی جابجا ذکر کیا ۔ ان کے نزدیک سالک طریقت کی انتہائی منزل "توحید" نہیں بلکہ "عبودیت" ہے ۔

---

1 ماخوذ از تاریخ دعوت و عزیمت جلد چہارم ــــ ص 273
مولانا ابوالحسن علی ندوی

مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیری بہاری جو عارف و محقق اور امام تصوف و حقیقت تھے ، اپنے مکتوبات میں اس مسئلہ کو بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ وہ اپنے ذاتی تجربہ اور تحقیق کی روشنی میں کہتے ہیں کہ :

"عام طور پر جس کو وحدت الوجود اور غیر حق کا عدم محض اور فنا کامل سمجھا جاتا ہے ، وہ دراصل وجود حقیقی کے سامنے دوسرے موجودات کا ماند پڑ جانا اور مغلوب ہوجانا ہے ، جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے ستاروں کی روشنی ماند اور ذرات کا وجود بے حقیقت ہوجاتا ہے۔"

وہ دو لفظوں میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں :

"نابودن دیگر و نادیدن دیگر" کسی چیز کا معدوم و نابود ہوجانا اور چیز ہے اور نظر آنا اور چیز اور فرماتے ہیں ، یہ ایک ایسا نازک مقام ہے جہاں اچھے اچھوں کے قدم لڑکھڑا گئے اور توفیق الٰہی اور حضور کامل کے بغیر جادۂ حقیقت پر قائم رہنا مشکل ہے ۔" 1

اب تک وحدت الوجود کے حامیوں اور مخالفوں یا اثبات و نفی کرنے والوں کے تین مسلک رہے ہیں ۔ ایک گروہ کے نزدیک وحدت الوجود ایک بدیہی حقیقت اور تحقیق و معرفت کی آخری منزل ہے ۔ دوسرا گروہ اس کا مطلق انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ وہم و خیال ، قوت متخیلہ کی کارفرمائی اور باطنی مشاہدہ کے سوا کچھ نہیں ۔ تیسرا گروہ وحدت الوجود کے متوازی وحدت الشہود کا نظریہ پیش کرتا ہے ۔ اس کا مشاہدہ یہ ہے کہ حقیقت

---

1 بحوالۂ تاریخ دعوت و عزیمت جلد چہارم ۔ ص 273 از مولانا ابوالحسن علی ندوی نیز جلد سوم ۔ ص 284 ۔ 286 جس میں مکتوب اول اور مکتوبات سوصدی اور اس کا اقتباس درج کیا گیا ہے ۔

میں سالک کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ یہ نہیں کہ وجود واحد ہے اور
واجب الوجود کے سوا ہر وجود معدوم ہے ۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ
موجودات اپنی جگہ پر موجود اور قائم ہیں لیکن واجب الوجود کے وجود
حقیقی کے نور نے ان پر ایسا پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ معدوم نظر آتے ہیں
جس طرح ستارے نور کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں ۔ گویا ان کا وجود
ہی نہیں ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے ۔ اسی طرح اس وجود کامل و حقیقی
کے سامنے جملہ موجودات ایسے بے حقیقت نظر آتے ہیں ۔ گویا ان کا سرے
سے وجود ہی نہیں ۔[1]

ان تین مسلکوں کے مقابلے میں مجدّد الف ثانی کا چوتھا مسلک ہے ۔ وہ یہ کہ سیر و سلوک میں وحدت الوجود ایک منزل ہے اس کے بعد اگر توفیق الٰہی شامل حال ہو اور شریعت کا چراغ رہنما ۔ وحدت الشہود کی منزل آتی ہے ۔ جو مقام ظلیّت ہے ۔ اس مقام سے ترقی کرکے ایک سالک مقام عبدیت تک پہنچ جاتا ہے ۔ جو سلوک کی آخری منزل ہے ۔ اس طرح شریعت اور سیر النفس و آفاق کے آخری مکشوفات و تحقیقات میں مطابقت پیدا ہوجاتی ہے ۔ یہی مجدد صاحب کا اضافہ اور تجدیدی کارنامہ ہے ۔

یہ انہوں نے اپنے سفر سلوک میں روحانی ارتقا اور مشاہدہ کی بنا پر کہا ہے ۔ جیسا کہ شیخ صوفی کے نام ایک مکتوب (مکتوب 31) میں لکھا ہے ۔ یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے :

مخدوم مکرم ! یہ فقیر کمسنی ہی سے اہل توحید (وحدت الوجودیوں) کے

---

1 تاریخ دعوت عزیمت جلد چہارم ص 274 از مولانا ابوالحسن علی ندوی

مشرب کا معتقد تھا ۔ والد بزرگ بھی اسی طریقے پر کاربند تھے ۔ فقیر کو اسی نسبت سے بڑی لذت حاصل ہوتی تھی ۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے رہنمائے راہ خدا محمد الباقی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا دیا ۔ جنہوں نے اس فقیر کو طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم دی اور اس کے حال پر توجہ بلیغ ملحوظ رکھی ۔ اس طریق علیہ کے اشتغال اور ممارست کے بعد تھوڑی مدت میں توحید وجودی کا انکشاف ہوا اور اس مقام کے علوم و معارف کا بکثرت فیضان ہوا ۔ شاید ہی کوئی بات رہی ہو ۔ جس کا انکشاف نہ ہوا ہو ۔ شیخ محی الدین ابن عربی کے نازک و دقیق علوم سامنے آئے اور تجلّیٔ ذات کا وہ انتہائی عروج حاصل ہوا جس کے متعلق انہوں نے اپنی کتاب " فصوص الحکم " میں لکھا ہے ۔ " مابعدہٗ الا العدم المحض " (اس کے بعد عدم محض کے سوا کچھ نہیں) اور جسے وہ خاتم الولایت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں ۔ اس توحید میں سکر و غلبۂ حال اس حد تک پہنچا کہ اپنے بعض عرائض میں جو حضرت خواجہ کو لکھے تھے ۔ سکر کے اشعار لکھ دئیے ۔

یہ حال طویل مدت تک رہا ۔ بارگاہ حضرت حق کی عنایت سے " لیس کمثلہٖ شئی " (ہے چون و بے چگون) کے چہرے پر جو پردہ پڑ گیا تھا ۔ حقیقت روشن ہو گئی ۔ سابق کے وہ علوم جو اتحاد اور وحدت الوجود کی خبر دیتے تھے رو بزوال ہوئے اور احاطہ اور سریان اور قرب و معیّت ذاتی جو اس مقام میں منکشف ہوئی تھی ۔ روپوش ہو گئی ۔ اور یقین العین سے معلوم ہو گیا کہ صانع جلّ شانہٗ ۔ اس عالم کے ساتھ ان نسبتوں میں سے کوئی نسبت نہیں رکھتا ۔ اس کا احاطہ و قرب علمی ہے ۔ جیسا کہ اہل حق کا عقیدہ ہے ۔

وہ پاک ذات کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں - وہ بے چون و بے چگوں ہے اور
عالم سراسر داغ سے داغدار ہے جو بے کیف ہے ، وہ باکیف کا عین اور مثل کیسے کہا
جاسکتا ہے واجب کو عین ممکن کیسے کہہ سکتے ہیں - قدیم عین حادث نہیں ہوسکتا -
ممتنع العدم عین جائز العدم نہیں ہوسکتا - انقلاب حقائق محال ہے - عقلاً و شرعاً اور
ایک کا دوسرے پر محمول کرنا کبھی صحیح نہیں ہوسکتا ، اصلاً و ابداً -

پھر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیخ محی الدین اور ان کے پیرو
ذات واجب تعالیٰ کو مجہول مطلق کہتے ہیں ، اور اس کو کسی حکم کا محکوم علیہ نہیں
سمجھتے ، پھر اس کے باوجود ، احاطۂ ذاتی اور قرب و معیت ذاتی کو ثابت کرتے ہیں ،
صحیح بات وہی ہے جو علمائے اہل سنت نے کہی ہے کہ سارا معاملہ قرب علمی اور
احاطۂ علمی کا ہے -

آگے لکھتے ہیں کہ فقیر پر حقیقت نفس الامری منکشف ہوگئی اور معلوم ہوا کہ
عالم اگرچہ اللہ تعالیٰ کے کمالات صفاتی کے لئے آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے ، لیکن مظہر
(آئینہ میں جو عکس پڑ رہا ہے) عین ظاہر (صاحب عکس) نہیں اور سایہ اپنی اصل کا
(جسکا وہ سایہ ہے) عین نہیں ہوسکتا ، جیساکہ توحید وجودی کے قائلوں کا مسلک ہے -
اس مسئلہ کو وہ ایک مثال سے یوں واضح کرتے ہیں کہ فرض کیجئیے کہ ایک صاحب فن
اپنے کمالات متنوعہ کو ظاہر کرنا چاہتا ہے اس غرض کے لئے وہ حروف و اصوات کو ایجاد
کرتا ہے ، جن کے ذریعے اس کے کمالات کے آئینے بنکر سامنے آتے ہیں - عین کمالات
قرار نہیں دیا جاسکتا - غلبۂ محبت کے سبب (اور وحدت الوجود کے قائل ہونے کے باعث)
اس طرف مائل ہوجاتے ہیں ، اس لئے کہ محبوب کے غلبۂ محبت سے ایک محب ماسوائے

محبوب کو نہیں دیکھتا ۔ جس کے معنی یہ نہیں کہ غیر محبوب کا وجود ہی نہیں ہے۔ ایسا خیال کرنا ۔ حس ، عقل اور شرع کے خلاف ہے ۔ کبھی یہی محبت احاطہ و قرب ذاتی کا حکم لگانے پر آمادہ کرتی ہے اور توحید کی یہ قسم پہلی دونوں قسموں سے اعلیٰ ہے اور احوال کے دائرہ میں داخل ہے اگرچہ نفس الامر اور عقل و شرع کے مطابق نہیں ہے ۔[1]

توحید شہودی

اب توحید شہودی کی مختصر تعریف ملاحظہ ہو ۔ حضرت مجدد اپنے ایک مکتوب[2] میں لکھتے ہیں :

"توحید شہودی یکے دیدنست یعنی مشہود سالک جز یکے نباشد
و توحید وجودی یکے موجود دانستن است و غیر او را معدوم انگاشتن۔۔۔
۔۔۔ پس توحید از قبیل علم الیقین آمد و شہودی از قسم عین الیقین ۔"

توحید شہودی نام ہے ایک دیکھنے کا یعنی سالک کا مشہود سوائے ایک کے نہ ہو ، اور توحید وجودی نام ہے ایک کو موجود جاننے کا اور غیر کو معدوم سمجھنے کا ۔ پس توحید وجودی علم الیقین کی قبیل سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم سے ۔

توحید کی یہ جو دو قسمیں حضرات صوفیہ کو سلوک کے دوران حاصل ہوتی ہیں ، ان میں توحید وجودی کا عقیدہ حضرت مجدد کے نزدیک داخلی ہے ، خارجی نہیں ہے۔ ان کے خیال میں یہ عقیدہ کثرت مراقبہ اور غلبۂ محبت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جس کا

---

1 ملخص از تاریخ دعوت و عزیمت جلد چہارم ۔ ص 276 ۔ 279
از مولانا ابوالحسن علی ندوی

2

ذکر پہلے کردیا گیا ہے ۔ لہٰـذا جو مشایخ اس مقام سے باہر نہیں نکلتے اور اس کو اپنا منتہائے کمال سمجھ بیٹھتے ہیں وہ مقام ظلیت تک نہیں پہنچ سکتے اور توحید شہودی کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے ۔ جہاں اپنا آپ اور عالم حقیقت واحدہ کا ظل ثابت ہوتا ہے ۔ اس مقام میں خدا و کائنات میں عینیت کی بجائے غیریت (دوئی) کا تصور پیدا ہوتا ہے اور منزل عبدیت میں اسکی نمود بدرجۂ اتم ثابت ہوتی ہے ۔ اسی منزل پر پہنچ کر حضرت مجدد نے شیخ اکبر کے ہر طریقۂ استدلال کی تردید کرنا شروع کردی کو کہ اس اختلاف کے باوجود ان کے بارے میں فرمایا ہے۔

" یہ فقیر شیخ محی الدین کو مقبولین میں سمجھتا ہے لیکن ان کے وہ علوم ـــــــ جو جمہور کے عقائد اور کتاب و سنت کے ظواہر کے خلاف ہیں ـــــــ ان کو خطا اور مضر سمجھتا ہے ـ ـ ـ ـ ـ لوگوں نے ان کے بارے میں افراط و تفریط کی راہ اختیار کی ہے اور وہ میانہ روی سے دور جا پڑے ہیں ـ ـ ـ ـ ـ عجیب معاملہ ہے کہ شیخ محی الدین مقبولین حق میں نظر آتے ہیں اور ان کے اکثر معارف و تحقیقات جو اہل حق کے خلاف ہیں ، خطا و ناصواب نظر آتے ہیں ۔ " [1]

اس سے ظاہر ہے اور جیساکہ پہلے بھی اسکی وضاحت ہوچکی ہے ، حضرت مجدد کی تنقید و تردید کے کیا اسباب ہیں ۔ توحید کے ان دو نظریوں (وجودی اور شہودی) کے مابین فرق و امتیاز اور اس کے نتیجے میں موافق و مخالف آرا اور چند آیات و احادیث کی تاویلات کو بیان کرنا ضروری ہے :

---

1 مکتوب ـــــ ص 160 بنام شیخ یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی

1 "وحدت وجود اور وحدت شہود میں یہ فرق ہے کہ وحدت وجود کے لحاظ
سے ہر چیز کو خدا کہہ سکتے ہیں جس طرح حباب اور موج کو پانی بھی کہہ
سکتے ہیں لیکن وحدت شہود میں یہ اطلاق جائز نہیں ۔ کیونکہ انسان کے سایہ
کو انسان نہیں کہہ سکتے ۔ وحدت وجود کا مسئلہ بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے ۔
اور اہل ظاہر کے نزدیک اس کے قائل کا وہی صلہ ہے جو منصور کو دار پر
ملا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وحدت وجود کے بغیر چارہ نہیں" [1]

2 "وجودیہ کے نزدیک حقیقت عالم کی اسماء و صفات ہیں جو ظاہر وجود پر متجلی
ہونے اور اس سے عالم کے وجود کا خیال پیدا ہوا ۔ جسکی بغیر کبھی یوں بھی کرتے
ہیں کہ وہ معدوم محض ہے مگر ساتھ ہی احکام کا مورد ہے اور کبھی یوں کرتے ہیں
کہ وہ عین حق ہے اور دونوں کا حاصل ایک ہے اور شہودیہ کے نزدیک حقیقت
عالم کی عدمات ہیں جن پر اسماء و صفات نے تجلی کی جس سے وجود ظلی پیدا
ہوا ۔ اس لئے وہ عالم کو نہ معدوم سمجھتے ہیں نہ عین حق ۔ باقی عالم سے حقیقی
وجود کی نفی میں دونوں شریک ہیں اور اس میں اہل ظاہر کی ملامت کے دونوں
~~xxxxxxxxxx~~ ہدف ہیں اور یہ ملامت شیخ پر اس لئے زیادہ ہے کہ ان کے
کلام کو غلط سمجھے ہیں ۔ حالانکہ ظاہر ~~xxx~~ ہے کہ اگر شیخ کا قول ضلال محض
ہوتا ۔ تو حضرت مجدد صاحب بجائے اسکی تقریر کے اسکا ابطال اور شیخ کی
تضلیل بلکہ تکفیر فرماتے ۔ حالانکہ باوجود ۔ تغلیط کے انکو تصریحاً مقبولان الٰہی
میں شمار فرماتے ہیں" [2] (مولانا اشرف علی تھانوی)

---

1 سوانح مولانا روم ـــ ص 161 علامہ شبلی نعمانی
2 بحوالہ "تجدید تصوف و سلوک" ص 108 از مولانا عبدالباری ندوی

(3) "تو ممکنات موجود ہیں ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وجود دیا ہے موجود کیوں نہ ہوتے ، مگر وجود حق کے روبرو ان کا وجود نہایت ناقص و ضعیف و حقیر ہے ، اس لئے وجود ممکن کو وجود حق کے روبرو تو عدم نہ کہیں گے ، مگر کالعدم ضرور کہیں گے ، جب یہ کالعدم ہوا تو وجود معتدبہ ایک ہی رہ گیا ، یہی معنی ہیں وحدت الوجود کے ، کیونکہ اس کا لفظی ترجمہ ہے ایک ہونا وجود کا ۔ سو ایک ہونے کے معنی یہ ہیں ، کہ دوسرا تو ہے سہی ، مگر ایسا ہی ہے جیسا کہ نہیں ، مگر اسکو "غلط" وحدت الوجود کہا جاتا ہے ـــــ اس مسئلہ کو مرتبۂ تحقیق علمی میں توحید کہتے ہیں جس کی تحصیل کوئی کمال نہیں ، اور جب یہ سالک کا حال بن جائے تو اس مرتبہ میں فنا کہلاتا ہے ۔ یہ البتہ مطلوب و مقصود ہے اور یہی حاصل ہے وحدت الشہود کا جسکی دلالت اس معنی پر بہت ہی ظاہر ہے ، کیونکہ اس کا ترجمہ ہے ، ایک ہونا شہود کا کہ واقع میں تو ہستی متعدد ہیں ، مگر سالک کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے اور سب کالعدم معلوم ہوتے ہیں ـــــ پس وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں اختلاف لفظی ہے ، کما قال مرشدی ، مگر چونکہ وحدت الوجود کے معنی عوام میں غلط مشہور ہوگئے تھے ، اس لئے بعض محققین نے اس کا عنوان بدل دیا ۔"[10]

(مولانا اشرف علی تھانوی)

وحدت اہل تصوف کے نزدیک ایک ناقابل انکار حقیقت ہے مگر اسکے بارے میں ان کے دو نظریے ہیں ایک وحدت الشہود اور دوسرا وحدت الوجود ۔ اہل شہود بھی وحدت وجود کے منکر نہیں ہیں ، اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ایک لفظی بحث ہی ہے۔

وحدت شہود یہ ہے کہ ہستی حق تعالیٰ واجب الوجود ہے جو ازلی و ابدی ہے ۔ لیکن جو کچھ مشہود و محسوس ہورہا ہے وہ مخلوق اور حادث اور وجود ممکنات ہے ۔ اور اس وجود کی حیثیت بمقابلہ وجود مطلق ایسی ہے جیسے ایک کرمک شب تاب واجب اور ممکن کا وجود ایک ہی ہے ۔ یا ایک کا غیر دوسرا ہے ؟ اگر ایک ہی ہے تو یہ وحدت وجود کا نظریہ ہے ۔ اور اگر غیر ہے تو یہ سمجھنا چاہئیے کہ حق تعالیٰ کا مقابل اسکا غیر بھی ہے اور حق تعالیٰ کے مقابلہ میں باطل ہی ہوگا ۔ اور اگر یہ حق تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا ۔ کہ حق تعالیٰ باطل پیدا کرتا ہے ۔ اسلئیے یہ نظریہ باطل ہے اسلئیے اسکے سوا چارہ نہیں کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ جو کچھ بھی موجود ہے حق ہے ۔ چونکہ یہ مسئلہ وحدت وجود ذوقی و حالی ہے اور لفظوں میں اسکے معانی کا فہیم ممکن نہیں ۔ اسلئیے بہت کچھ غلط فہمی کا موجب ہوسکتا ہے اور ہوتا رہا ۔"[1]

(د) نظریہ وحدت الوجود کی انتہائی شکل یہ ہے کہ خارج میں صرف ایک ہی ذات موجود ہے اور بس اور وہ ذات حق ہے اب رہی یہ کائنات ۔ اسکی اصلاً کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ موہوم ہے ۔ لفظ موہوم کی تشریح یہ ہے کہ بعض اوقات اندھیری رات میں انسان کو کسی رسی پر کسی سانپ کا یا کسی جھنڈ پر انسان کا شبہ ہوجاتا ہے لیکن جب وہ نزدیک جاکر دیکھتا ہے تو وہاں نہ سانپ کا وجود ہوتا ہے ۔ نہ انسان کا ـــــ اس طبقہ کے لوگ کائنات کو کبھی کبھی ظل سے بھی تعبیر کردیتے ہیں ۔ لیکن ظلی وجود

---

1 علم تصوف (وحدت وجود و شہود) خواجہ عباد اللہ اختر

سے انکی مراد یہ ہوتی ہے کہ ظل (سایہ) کا وجود صرف حس کے مرتبہ تک ہے ۔ یعنی بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کائنات موجود ہے ۔ دراصل نفس الامر یا خوارج میں عدم محض ہے ۔ جس طرح شعلۂ جوالہ کہ بظاہر ایک حلقۂ آتشیں نظر آتا ہے لیکن اگر گردش دست ختم ہوجائے تو فوراً اس حلقہ کا حسّی وجود ختم ہوجائے گا ۔

اسی طرح یہ کائنات تجلی صفات کا کرشمہ ہے ۔ تجلیات گونا گوں سے تعینات بوقلموں نظر آتے ہیں ۔ اگر تعینات کا یہ سلسلہ رک جائے ۔ تو یہ کھیل ایک آن میں ختم ہوجائے گا بلکہ اسی طرح جس طرح اگر پردہ فلم اور لائٹ کے درمیان ریل کے تعینات کو ہٹا دیا جائے تو پردہ پر کچھ باقی نہیں رہے گا ۔ جس طرح پردۂ فلم پر تماشائیوں کو دو گھنٹے کیلئے عورتیں اور مرد کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور جب اوپریٹر سوئچ آف کردیتے ہیں تو تماشا ختم ہوجاتا ہے ۔ بس اسی طرح سنسار پردۂ فلم ہے ۔ یعنی آدم ایکٹر اور ایکٹریسیں ہیں ۔ ایشور اوپریٹر ہے ۔ اسی لئے ویدانت میں سنسار کو ایشور کی لیلا (کھیل) سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس نظریے کو واضح کرنے کیلئے اس سے بہتر تشبیہ ممکن نہیں ۔ القصہ تعینات نے ہم سبھوں کو فریب میں مبتلا کردیا ہے ۔ ورنہ کچھ بھی نہیں ہے ۔ صرف وہی ہے

پردہ کو تعین کے درِ دل سے ہٹادے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

۔۔۔۔۔ نظریۂ وحدت الوجود کی اعتدالی صورت میں ہے کہ حقیقی وجود تو حق سبحانہ ہی کا ہے اور یہ ، کائنات اس وجود حقیقی کا (جو واحد ہے) ظل ہے ۔ لیکن یہ ظل موہوم

یا دھوکہ (فریب نظر) نہیں ہے بلکہ خارج میں موجود ہے ----- ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ ظل اصل کے طفیل سے قائم ہے ----- کائنات میں جو کچھ موجود ہے ۔ اسکی تجلّی کی بدولت موجود ہے ۔ ہر شے میں اس کا جلوہ ہے ۔ ہر موجود اسی ذات واحد کا مظہر ہے ۔ اس نظریے کو وحدت شہود بھی کہتے ہیں ۔ حضرت ابن عربی اور حضرت مجدد الف ثانی حقیقی وجود صرف ایک ہے جسے مناطقہ واجب الوجود اور صوفیہ حق کے نام سے پکارتے ہیں ۔ یہ دونوں حضرات اسپر بھی متفق ہیں کہ یہ کائنات حق تعالٰی کی صفات کا ظل ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے ۔ کہ حضرت ابن عربی اس ظل کو موہوم قرار دیتے ہیں ۔ حضرت مجدد اسکو موجود قرار دیتے ہیں۔ " [1]

(6) حضرت مجدد کہتے ہیں کہ صفات عین ذات نہیں بلکہ زائد علی الذّات ہیں ۔ وہ کشف صحیح کی بنا پر اسکے قائل ہیں کہ وجود باری فی ذاتہ کامل و اکمل ہے اسکو اپنی تکمیل کیلئے صفات کی احتیاج نہیں ۔ صفات اسکے وجود کے تعینات ہیں ۔ وہ موجود ہے ۔ لیکن اسکا وجود خود اسکی ذات سے ہے ۔ سمیع ہے اپنی ذات سے ۔ بصیر ہے اپنی ذات سے ۔ ان کے خیال میں صفات ذات کے اظلال ہیں ۔ اسکے عین نہیں ۔ " [2] (ڈاکٹر ایم ۔ باقر)

(7) ایضاً " صفات اظلال ذات ہیں اور کائنات ظل صفات ہے ۔ کائنات ضد منازل تنزلات و تعینات سے وجود میں آتی ہے وہ اسطرح کہ وجود مطلق ۔ وصف وجود کی علت ہے ۔ وصف وجود سے صفت حیات ۔ اس سے صفت علم ۔ اس سے صفت قدرت ۔ پھر

---

1 شرح بال جبرئیل ---- ص ۷۹ - ۷۵ پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۔ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی
2 بحوالہ اردو شاعری میں تصوف ---- پروفیسر سید صفی حیدر دانش

صفت ارادہ، پھر صفت سمع، پھر بصر، اسکے بعد صفت کلام اور بعدہ صفت تکوین کا ظہور ہوا، اور صفت تکوین باعث صفت کائنات ہوتی۔"[1]

یہ بیانات اور تصریحات توحید کے دونوں نظریوں کو واضح کرتے ہیں۔ ان کے مابین جو فرق و امتیاز ہے، انہر مع انکے جزئیات کے بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ توحید وجودی کے مقابلے میں توحید شہودی روشن تر اور قابل فہم حقیقت ہے اور تعلیم وحی کے بھی مطابق ہے نظریہ جب عقیدہ بن جاتا ہے، انسان کے تمام تصورات اور اعمال اسی کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ ذات و صفات، حیات و کائنات اور انسان کی حقیقت اور پھر ان کے باہمی تعلق کی نوعیت کو بھی اسی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ کلام الٰہی اور ارشادات نبوی کی تاویل و تعبیر بھی اسی روشنی میں کی جاتی ہے چنانچہ شیخ اکبر نے جن آیات و احادیث سے وحدت الوجود کا استدلال کیا ہے۔ حضرت مجدد نے ان سے اور دیگر آیات و احادیث سے اس نظریہ کی تردید کی ہے۔ ھوالاول والاخر والظاھر والباطن، وھو بکلّ شیئٍ علیم، سے وحدت الوجود کی تعبیر کی جاتی ہے۔ کیونکہ جب اول بھی وہی ہے، آخر بھی وہی، ظاہر بھی وہی اور باطن بھی وہی، تو پھر اسکے سوا کائنات میں ہے کون؟ لیکن اس سے کائنات یا اسکی کسی شے کے وجود کا موہوم و معدوم ہونا لازم نہیں آتا، گو کہ یہ وجود عارضی ہے، اور وجود مطلق کا محتاج ہے پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالٰی کس چیز کا اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے جواب بدیہی ہے کہ کائنات کا، اسکا مطلب یہ ہے کہ کائنات یا اسکی کوئی بھی شے ضرور ہے، یعنی اسکا وجود

---

1 اردو شاعری میں تصوف ۔۔۔۔ پروفیسر سید حیدر دانش

ہے اور آگے جو آیت میں اشارہ   وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے ، یہ بھی اس امر
پر ضلالت کرتا ہے بلکہ اس سے ظاہر ہے کہ صفت علم سے وہ کائنات کی ہر شے کا احاطہ
کئے ہوئے ہے ۔ اسی طرح اسکی صفت قدرت اور صفت حیات و قیومیت (الحی القیوم)
سے جب تک اس کا ارادہ ہو ، یہ کائنات قائم ہے ۔ جس میں بے شمار جیتے جاگتے ،
چلتے پھرتے جاندار ہیں اور جن انسان کئی خصوصیات کی وجہ سے اشرف المخلوقات
کہلایا جاتا ہے اور جب انسان ہی کے وجود کو تسلیم نہ کیا جائے یا اس کے وجود کو
وجود مطلق ہی کا عین تصور کیا جائے ، تو یہ دونوں صورتیں حقیقت کے خلاف جا پڑتی
ہیں ۔

آیت و نحن اقرب الیہ من حبل الورید (خدا فرماتا ہے کہ ہم انسان کی
رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں) کی تاویل میں شیخ اکبر کہتے ہیں کہ اس
قربت کے معنی یہ ہیں کہ خدا ہی انسان کے اعضا و جوارح کی اصل ہے ، لہٰذا
خدا اور انسان میں عینیت ہے ۔ حضرت مجدد کا کہنا ہے کہ اس قربت کو عینیت سمجھنا
صحیح نہیں کیونکہ اسکی کیفیت فہم و ادراک سے بالاتر ہے ، جب ہم اسے سمجھ ہی
نہیں سکتے ، تو مفہوم کو کسطرح متعین کیا جا سکتا ۔

حدیث قدسی کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق (حق تعالیٰ کا
ارشاد ہے کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا ، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں ، اس
لئے خلقت کو پیدا کیا) سے بھی ابن عربی نے تخلیق کائنات کی غرض بتاتے ہوئے
وحدت وجود کا استدلال کیا ہے) حضرت مجدد کہتے ہیں کہ اس صورت میں اعتراض
یہ ہے کہ باری تعالیٰ اپنی ذات سے کامل نہیں اور وہ تکمیل ذات کے لئے محتاج تھا ،

اور ایسا کہنا تعلیمات وحی کے سراسر منافی ہے کیونکہ خدا تعالٰی تمام عالموں سے غنی اور اپنی ذات میں کامل ہے ۔ ان اللّٰہ لغنی عن العالمین اور پھر غرض تخلیق معرفت نہیں ، عبادت ہے ۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا کہ عبادت کریں ۔ اب اگر عبادت سے یہاں معرفت مراد لی جائے ، تو اس صورت میں بھی انسان کا کمال معرفت حق پر منحصر قرار پاتا ہے ۔ ذات حق کائنات کی کسی طرح محتاج نہیں ۔

اسی طرح حدیث خلق اللہ آدم علی صورتہ (خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) کی بنا پر انسان کو عین خالق بتایا گیا ہے ۔ مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ، صفات خالق کا مجسمہ ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ روح ربانی اور روح انسانی دونوں لامکانی ہیں اور اسی اعتبار سے مشابہت رکھتی ہیں ، ان میں عینیت کا کوئی تعلق نہیں ۔ ان کے نزدیک من عرف نفسہ فقد عرف ربہ سے بھی انسان کا عین خدا ہونا ثابت نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی نفسی خامیوں اور اس کے نقائص کا علم حاصل کر لیتا ہے ، اس پر یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ تمام محاسن و کمالات صرف توفیق ربانی سے حاصل ہو سکتے ہیں اور وہی ان سب کا سرچشمہ ہے ۔[1]

" خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا " پر یہ بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس میں ہمہ صفت کا نظریہ پیش کیا گیا ہے ، بلکہ یہ افلاطون کا بھی یہی عقیدہ تھا اور اعیان وغیرہ کا تصور بھی عالم افلاطونی ہے ۔

---

1 توحید کے ارتقائی مدارج ۔۔۔ دین محمد شفیق

آیات و احادیث کی ان تاویلات و تعبیرات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وجودی صوفیہ کی تفاسیر منشا الٰہی کے مخالف تھیں یا موافق ؟ خود شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تفسیر [1] کا کیا حال ہوگا ؟

ماحصل

وجودی فلسفہ و تصوف نے ذات مطلق کی کنہ تک جانے یا اسکی حقیقت دریافت کرنے کیلئے بڑے جتن کئے ہیں ۔ جبکہ قرآن کہتا ہے " لا تضربوا اللہ الامثال ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے " تفکروا فی کل شیئ ولا تفکروا فی ذات اللہ تعالٰی (کائنات کی ہر شے پر غور و فکر کرو ۔ اور اللہ کی ذات پر نہ کرو) کیونکہ ذات حق اس سے بہت ہی برتر و بالاتر ہے ۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

وز ہرچہ خواندہ ایم و شنیدیم گفتہ ایم

حق تعالٰی (ذات مطلق) قدیم اور واجب الوجود ہے ۔ کائنات (جملہ مخلوقات) حادث اور ممکن الوجود ہے ۔ یہ ذات مطلق کے اسماء و صفات کی تجلی یا ظل ہے ۔ اس کا وجود عارضی ہے ۔ حقیقی وجود حق تعالٰی ہی کا ہے ۔ یہاں تک وجودیہ اور شہودیہ دونوں متفق ہیں ۔ لیکن جب کہا جاتا ہے کہ حقیقی وجود ایک ہی ہے اور کائنات موہوم یا عدم محض ہے ۔ اسکا کوئی وجود نہیں تو اختلاف یہاں سے شروع ہوجاتا ہے ۔ کیونکہ وحدت الشہود کے اعتبار سے کائنات کا وجود ظلی اور عارضی ہی سہی لیکن ہے تو ضرور ۔ لہٰذا دو وجود ہوئے گو کہ کائنات اپنے وجود میں ۔ وجود مطلق ہی کی محتاج ہے ۔

---

1 یہ تفسیر 93 جلدوں پر مشتمل تھی ۔ اب نایاب ہے ۔

وجودیہ کے نزدیک دو وجود ماننا (دوئی) شرک ہے کیونکہ واجب الوجود کے ہوتے ہوئے، غیر کا وجود ہی نہیں ہے لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ دوئی یا غیریت خالق و مخلوق یا عبد و معبود کے مابین ہے نہ کہ ایک کا دوسرا شریک ہے اور اسکی کیفیت کچھ ایسی ہے، کہ مخلوق خالق ہے اور معبود عبد سے ملا بھی نہیں ہے اور جدا بھی نہیں ہے -

پھر وجودی ایک قدم اور بڑھکر کہتے ہیں کہ کائنات اور ذات مطلق ایک دوسری کی عین ہیں، جیسا کہ شیخ اکبر نے باشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ " عالم اور خدا عین یکدگر ہیں" یہ عینیت ناقابل فہم ہے البتہ اگر یہ کہا جائے کہ کائنات میں بھی خصوصاً انسان میں محدود مرتبے ہی میں سہی، خدائی صفات، صفت خالق (تخلیق) صفت رحیمی، صفت عدل وغیرہ موجود ہیں، تو قابل قبول ہے - آخر وہ زمین پر خلیفۃ الٰہی ہے -

تیسرے مرحلے میں وجودیوں کا کہنا ہے کہ جب وجود ایک ہی ہے، دوسرا نہیں کائنات مع اپنی جملہ اشیا کے وجود واحد میں شامل ہے گویا واجب الوجود اور ممکن الوجود میں وحدت ہے ہر شے حق ہے، انسان بھی خدا ہے، یہ وحدت وجود کا انتہائی نظریہ ہے، چنانچہ اسکے کچھ منفی اثرات مرتب ہوئے، جو آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں - پھر بھی کئی بزرگوں نے لکھا ہے کہ وحدت وجود کو مانے بغیر چارہ نہیں - شاید وہ خواص کی وحدت وجود ہوگی، بعض وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ لفظی بحث کے سوا کچھ نہیں، بلکہ ایک ذوقی اور وجدانی شے ہے -

لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ وحدت الٰہی کو جو قرآن کا تصور توحید ہے مانے بغیر چارہ نہیں -